ابومعاویہ رحمانی

امیر المومنین، خلیفۂ راشد وبرحق
سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

صحابہ کرام (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) خداوند قدوس کے منتخب ان نفوس قدسیہ کی جماعت ہے جنہوں نے دین حق کی اشاعت وترویج کے لیے بارگاہ ایزدی میں ہر قسم کی قربانی پیش کی۔ان کی اس بے مثال قربانی وایثار کے باعث اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی رضا وجنت کی بشارت دی۔خداوند قدوس نے اپنے کلام میں ان قدسی صفات انسانوں کی متعدد مواضع میں تعریف بیان کی ہے۔کلام مجید کی آیات سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق جو مفہوم اخذ ہوتا ہے اس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مختلف طبقات ہیں ایک طبقہ مہاجرین "السابقون الاوّلون" کا ہے۔اسی طرح انصار میں سے بھی ایک طبقہ "السابقون الاوّلون" کا ہے۔ایک طبقہ وہ ہے جو کہ فتح مکہ سے قبل شرف اسلام سے مشرف ہوا اور ایک طبقہ وہ ہے جو کہ فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوا۔باوجود ان کے اس اختلاف طبقات کے قرآن مجید نے تمام حضرات کیلئے جنت اور رضوان الٰہی کی بشارت دی ہے۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک سیرت یہ ہے کہ جس کو قرآن وحدیث نے بیان کیا ہے۔یہی ان کی حقیقی سیرت ہے۔اب اگر کتب تاریخ میں کوئی ایسی روایت موجود ہو جس میں ایک صحابی رضی اللہ عنہ کا ایسا کردار بیان کیا گیا ہو جو کہ صحیح حدیث اور قرآن مجید کی بیان کردہ سیرت صحابہ رضی اللہ عنہم کے خلاف ہو تو اس تاریخی روایت کو ناقابل اعتماد سمجھا جائے گا جیسا کہ ناقدین فن میں سے صاحب الاستیعاب ابن عبدالبر اور ابن اثیر نے تصریح کی ہے کہ اس طرح کی روایات غیر مستند اور ناقابل اعتبار ہیں۔

امیر المومنین سیدنا ابوعبدالرحمٰن معاویہ بن ابوسفیان اموی رضی اللہ عنہ کا خاندانی تعلق قریش کے مشہور قبیلہ بنوامیہ کے ساتھ تھا۔یہ قبیلہ قریش کے ان قبائل میں سے تھا جن پر مکہ کی اجتماعی زندگی کی بنیاد قائم تھی۔شرف واحترام کے اعتبار سے یہ قبیلہ بنوہاشم سے دوسرے مرتبہ پر ہے۔قریش کا عقاب یعنی قومی پرچم اس قبیلہ کی تحویل میں تھا اس لئے قریش کی سپہ سالاری کے منصبِ رفیع پر بھی یہی قبیلہ فائز تھا اور اس قبیلہ کا ایک ممتاز وصف یہ بھی تھا کہ اس میں سیادت وقیادت کی اہلیّت بدرجہ اتم موجود تھی۔سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی تربیت اسی خاندان میں ہوئی۔

آپ رضی اللہ عنہ کے قبولِ اسلام کے متعلق اگرچہ روایت زیادہ مشہور ہے کہ فتح مکّہ کے موقع پر حصارِ اسلام میں داخل ہوئے لیکن حدیث کی امہات الکتب صحیحین کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمرۃ القضاء کے موقع پر آپ مسلمان تھے اور کتب اسماء الرجال میں بھی ان کا اپنا یہ قول مذکور ہے کہ اس عمرہ کے وقت میں مسلمان تھا۔اس لئے مؤرخین کے قول کے بہ نسبت انکا اپنا قول ہی زیادہ معتبر ہوگا۔

فتح مکہ کے بعد غزوہ حنین اور غزوہ طائف میں ان کو نبی کریم ﷺ کے مَعیّت جہاد کی فضیلت حاصل ہوئی۔ پھر غزوہ تبوک جو کہ نبی کریم ﷺ کا آخری غزوہ اور خاص اہمیت کا حامل تھا اس کے باعث مخلصین اور منافقین کی تفریق اور امتیاز ظاہر ہوگیا۔ اس غزوہ خاص میں بھی ان کو نبی کریم ﷺ کی مَعیّت کا شرف حاصل ہوا اور اسی مقام پر شاہ روم کی جانب سے اس کا سفیر التنوخی ایک خط لے کر آیا۔ تنوخی کا اپنا بیان ہے کہ آپ کے پہلو میں ایک شخص بیٹھا ہوا تھا آپ نے پڑھنے کے لئے وہ خط اس کو دیا میں نے لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ شخص کون ہے تو مجھے بتایا گیا کہ یہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ ہیں۔ اس روایت کے محمل اور مصداق میں کئی احتمالات ہیں یا تو یہ حجۃ الوداع کا موقع ہے یا عمرۃ القضا کا یا عمرہ جعرانہ کا جو کہ نبی کریم ﷺ نے غزوہ حنین کے بعد ادا کیا تھا۔ یہ واقعہ حجۃ الوداع کا تو نہیں بن سکتا اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع میں حلق کرایا ہے اور وہ بھی منیٰ میں۔ اور عمرہ جعرانہ کا بھی نہیں اس لئے کہ آپ کا یہ عمرہ عشاء کی نماز کے بعد اور فجر کی نماز سے پہلے کا ہے اور اس عمرہ کی ادائیگی میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ تو چند خواص تھے عام صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس کی اطلاع بھی نہیں تھی۔ اس لئے لازماً یہ واقعہ عمرۃ القضاء کا ہے جو کہ ۷ھ کو ہوا۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ ۷ھ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ شرفِ اسلام سے مشرف ہو چکے تھے اور اس وقت عام قریش مکہ جو کہ کفر کی حالت میں تھے مکہ سے باہر چلے گئے تھے۔ پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا عام کفار کی طرح مکہ کا چھوڑنا اور نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں رہنا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان کا یہ طرز عمل نبی کریم ﷺ کی اجازت سے تھا جیسا کہ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کا طرز عمل تھا کہ وہ بھی بہت پہلے اسلام لا چکے تھے لیکن آپ ﷺ کی اجازت سے اپنے اسلام کو مخفی رکھا اور فتح مکہ سے کئی دن پہلے اس کا اظہار کیا۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا پورا دورِ خلافت مسلمانوں کی باہمی خون ریزی میں صرف ہوگیا۔ آپ رضی اللہ عنہ کی شہادت کہ بعد سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا انتخاب ہوا سبائیوں نے ان کو بھی باہمی خون ریزی میں الجھانے کی کوشش کی لیکن انہوں نے سرور کائنات ﷺ کی ایک پیشین گوئی کے مطابق سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے مصالحت کرلی۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت سے دست برداری کے بعد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پورے عالم اسلام کے لئے خلیفہ مقرر ہوگئے اور داخلی انتشار کی وجہ سے جہاد اسلام کا سیل رواں عارضی طور پر ٹھہر گیا تھا اب پھر وہی میدانِ جہاد تھا اور مسلمان تھے۔

بلخ جدات کا علاقہ حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں اسلامی فتوحات میں داخل ہو چکا تھا لیکن شہادتِ عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد انہوں نے بغاوت کردی۔ اب جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ داخلی انتشار سے فارغ ہوئے تو ان علاقوں کی طرف اپنی توجہ مبذول کی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے عامل عراق ابن عامر کو بلخ کے باغیوں کی سرکوبی کا حکم جاری کیا انہوں نے ان علاقوں کو دوبارہ عالم اسلام میں داخل کیا۔ اسی طرح ۴۳ھ میں اہل کابل اور اس کے مضافات کے لوگوں نے بغاوت کی۔ اہل کابل کی بغاوت کو فرو کرنے کے لیے عامل حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا۔ سندھ سبستان، مکران، قندھار کی مہمات کے لئے ملہب بن صفرۃ کو منتخب کیا گیا۔ احادیث کی کتب میں نبی کریم ﷺ کی ایک بشارت ان الفاظ میں منقول ہے۔ اول

جیش من امتی یغزون مدینة قیصر مغفور لھم. یعنی میری امت میں سے پہلا لشکر جو مدینۃ قیصر پر جہاد کرے گا وہ مغفور ہے۔ اس حدیث کی تشریح میں اکابر علماء نے لکھا ہے کہ یہ غزوہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ۵۲ ھ کو پیش آیا اور اس غزوہ کا امیر الجیش سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا بیٹا یزید تھا۔ نبی کریم ﷺ کی اس بشارت کے باعث اس جہاد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی جماعت نے شرکت کی۔ میزبانِ رسول ﷺ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ باوجود اپنی کبر سنّی کے اس بشارت کو حاصل کرنے کے لئے اس جہاد میں شریک ہوئے۔ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ اس سفر میں بیمار ہو گئے انہوں نے امیر الجیش امیر یزید کو وصیت کی اگر میں یہاں مر جاؤں تو مجھے بابِ قسطنطنیہ کے قریب جہاں مجاہدین جہاد میں مصروف ہوں، ان کے قدموں میں دفن کر دینا۔ چنانچہ راستہ ہی میں سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا۔ امیر الجیش امیر یزید نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور ان کی وصیت کے مطابق دامن قلعہ میں ان کو دفن کیا گیا۔ قیصر روم نے کہا تم جس شخص کو اس مقام پر دفن کر رہے ہو ہم تمہارے جانے کے بعد قبر اکھاڑ کر لاش باہر پھینک دیں گے۔ امیر یزید نے جواباً کہا اگر تم نے یہ حرکت کی تو عالم اسلام میں عیسائیت کا نام ونشان ہی نہیں رہے گا آخر اس نے معذرت کی اور اپنے مذہب کے مطابق قسم اٹھا کر ان کی تسلی کرائی۔

شمس الائمہ سرخسی نے شرح اثیر الکبیر میں یہ روایت درج کی ہے کہ سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کو رات کے وقت دفن کیا گیا اور ان کی قبر سے ایک روشنی آسمان کی طرف بلند ہوئی۔ صبح کو وہاں کے لوگوں نے دریافت کیا کہ تم نے رات کس شخص کو دفن کیا جب ان کو بتایا گیا کہ یہ شخص ہمارے پیغمبر ﷺ کے جلیل القدر صحابی رضی اللہ عنہ تھے تو کئی لوگ اس واقعہ کی وجہ سے مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

مسلمانوں کی باہمی خون ریزی کے مناظر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سامنے تھے یہ بات ان کی اعلیٰ سیاست وتدبر کے خلاف تھی کہ امت کو بے سہارا چھوڑ کر وہ اس دنیائے فانی سے رخصت ہو جائیں اور ان کی وفات کے بعد پھر وہی ہولناک مناظر رونما ہوں۔ انہوں نے صاحب رائے اور مدبّرین حضرات سے اس معاملہ میں مشورہ کیا تو آخر یہ بحث وتمحیص ان کے بیٹے یزید کی ولی عہدی کی تجویز پر منتج ہوئی۔ چنانچہ آپ نے اصحاب حل وعقد کے مشورہ سے یزید کے لئے ولی عہدی کی بیعت لی۔ اس معاملہ میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا اختلاف منقول ہے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی عمر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ آپ نے نبی کریم ﷺ کے تراشے ہوئے ناخن، موئے مبارک اور آپ ﷺ کی عطاء کی ہوئی قمیض مبارک اپنے پاس اس وقت کے لیے محفوظ کر رکھی تھی انہوں نے دیگر وصایا کے ساتھ خاص طور پہ یہ وصیت کی کہ اس قمیض میں مجھے کفن دینا اور ناخن مبارک کے تراشے اور موئے مبارک میرے منہ، ناک، آنکھوں اور کان میں رکھ دینا۔ ۲۲ رجب ۶۰ ھ کو ان کی وفات ہوئی اور ان کی وصیت کے مطابق ان کی تجہیز وتکفین کی گئی۔ سیدنا ضحاک بن قیس الفہری رضی اللہ عنہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی تمام زندگی احیاء وبقاء اسلام کے لیے وقف رہی۔ زندگی کے آخری لمحات تک اشاعتِ اسلام کی مساعی میں مصروف رہے۔ آپ کی آخری وصیت یہ تھی کہ رومیوں کے گلے کو خوب دبا کر رکھا جائے اور ان پر کنٹرول مضبوط کیا جائے

تا کہ اس کے ذریعہ باقی اقوام کو بدنظمی سے بچا کر ایک ضبط میں رکھا جائے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تاریخ کی وہ مظلوم ترین شخصیت ہیں کہ جن کے ہر عمل وکردار کو مورد اعتراض قرار دیا گیا ہے۔ لباس، خوراک نشست، برخاست اور خلافت حالانکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد ہیں کہ جن کے دورِ خلافت وامارت میں اسلامی مملکت کے دائرہ میں بہت ہی وسعت ہوئی۔ اسلامی بحریہ کی بنیاد کا سہرا بھی انہیں حاصل ہے۔ اس وقت ہمارے سامنے جو سوالات ہیں ان میں بھی یہی کیفیت ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے والد سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے اسلام کا انکار ان کی والدہ محترمہ سیدہ ہند رضی اللہ عنہا بنت عتبہ پر اعتراض پھر ان کی ذات پر اعتراض حتیٰ کہ ان کے لباس اور خوراک پر اعتراض۔ اس وقت ہمارا روئے سخن اس اعتراض کی جانب ہے جو ان پر یزید کی ولی عہدی کی وجہ سے ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اسلامی حکومت کی وسعت کچھ اس طرح تھی۔ بخارا سے لے کر مغرب میں قیروان تک اور اقصائے یمن سے قسطنطنیہ تک یہ تمام ممالک اسلامی حکومت کے ماتحت تھے۔

ظاہر ہے اتنی بڑی عظیم سلطنت کے نظم وانتظام کو قائم رکھنے اور اس کے استحکام کی بڑی ضرورت تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مسلمانوں کی باہمی خون ریزی کے ہولناک مناظر ان کے سامنے تھے۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے تدبر اور مصالحت جوئی سے مسلمانوں کی یہ خانہ جنگی ختم ہوئی اور پھر دوبارہ اسلامی فتوحات کا آغاز ہوا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسی صورت حال کے پیشِ نظر یہ ضرورت محسوس کی کہ اپنی زندگی میں آنے والے خطرات کی پیش بندی کرنے کے لئے اس کا انتظام کر جائیں۔ اسی ضرورت کے ماتحت انہوں نے مختلف شہروں سے آنے والے وفود سے اس معاملہ میں مشورہ کیا اور آخر یہی طے پایا کہ یزید کو ہی ولی عہد نامزد کیا جائے۔ کیونکہ اس وقت کے حالات کا یہی تقاضا تھا۔ اس لئے کہ اگر یزید کو نامزد نہ کیا جاتا تو پھر انتشار وانشقاق کا خطرہ تھا اسی ملی ضرورت ومصلحت کے تحت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ اقدام کیا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس اقدام میں مؤرخین کے مختلف اقوال ہیں بعض کے نزدیک یہ ۵۰ھ کا واقعہ ہے اور بعض کے نزدیک ۵۶ھ بہر صورت جو زمانہ بھی ہو یہ دور صحابہ کا ہے کیونکہ صحابہ کے دور کا اختتام ۱۱۱ھ کو ہے ظاہر ہے اس وقت کثرت کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہوں گے۔ سوائے چار حضرات کے کسی صحابی رضی اللہ عنہ اور تابعیؒ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس اقدام پر اعتراض نہیں کیا اور پھر ان چار میں سے دو حضرات نے بھی بیعت کر لی تھی۔

ایک سوال میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے اختلاف کا تذکرہ ہے اس سوال میں کہا گیا ہے کہ ان کی باہمی عداوت ودشمنی جو چالیس جنگوں پر محیط ہے حتیٰ کہ خطبوں میں طعن وتشنیع بلکہ لعنت وملامت تک نوبت پہنچ گئی تھی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اختلاف کوئی ذاتی عداوت پر مبنی نہیں تھا بلکہ ایک اجتہادی معاملہ میں ان کا اختلاف تھا جو انتظامی نوعیت کا تھا۔ ان جنگوں کی تعداد کے بیان میں مبالغہ آمیزی ہے اور لعن وطعن کے بیان میں سبائی روایات کی کارفرمائی ہے حتیٰ کہ ان روایات کے متعلق علماء نے تحریر کیا ہے **واما اخبار اللعن فمن اکاذیب التاریخ لانہ لم یقل احد**

المتخاصمین بکفر الاخر حتیٰ یجوز له لعنه بل یعتقد انه مؤمن (اتمام الوفاص ۲۵۹) ان صحابہ کرامؓ کا ایک دوسرے پر لعن کرنے کی روایات مؤرخین کی جھوٹی روایات ہیں کیونکہ ان دونوں جماعتوں میں سے کوئی بھی دوسرے کے مخالف گروپ کو کافر نہیں سمجھتا تھا نہ ہی اس پر لعنت کرنے کو جائز سمجھتا بلکہ ہر ایک دوسرے کے متعلق یہی اعتقاد رکھتا کہ وہ مومن ہے۔ جن روایات سے ہمارے معترضین احباب متأثر ہیں اس طرح کی روایات بیان کرنے والے مؤرخین کے متعلق بطریق تحذیر کے یہ فیصلہ ہے **وایا کم و دجالین و کذابین من المئو رخین قضت علیهم ظر و ف ومنهم ان یقبلوا الحقائق**. تم اپنے آپ کو ان دجال صفت اور جھوٹے مؤرخین سے بچاؤ جو کہ اپنے زمانہ کے حالات سے متأثر ہو کر حقائق کے خلاف روایات بیان کرتے ہیں اور ان روایات میں اللہ تعالیٰ اور امت اسلامیہ کی جانب کذب بیانی نسبت کر کے صحابہ کرامؓ کی جانب قبیح کردار کی نسبت کرتے ہیں۔ **ویکذبو ا علی الله وعلی الا مةالاسلامیة فینسبون القبا ئح لاصحا ب رسول الله ﷺ** باقی رہا صحابہ کرامؓ کے اس اختلاف کی نوعیت امور اجتہادی کے اختلاف کی نوعیت ہے اور ان کے اختلاف کا فیصلہ پیغمبر ﷺ نے خود پیشگی فرما دیا ہے حدیث شریف میں ہے کہ!

عن عمر بن الخطاب ؓ قال سمعت رسو ل الله ﷺ یقول سئلت ربی عن اختلا ف اصحابی من بعدی فأوحی الی یا محمّد ان اصحا بک عندی بمنزلة النجوم فی السماء بعضها اقوی من بعض ولکل نور فمن اخذبشئی بأ یّهم علیه من اختلافهم فهو عندی علیٰ هدیٰ.

''حضرت عمر بن خطاب ؓ سے روایت ہے' وہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا' وہ فرماتے ہیں: میں نے اپنے رب سے اپنے بعد' اپنے صحابہ کے اختلاف کے بارے میں پوچھا: رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں پس میرے رب نے میری طرف وحی کی: اے محمد ﷺ! بے شک آپ کے صحابہ میرے نزدیک آسمان میں ستاروں کی مانند ہیں۔ ان میں سے بعض دوسرے سے زیادہ قوی ہیں اور ہر ایک کے لیے نور ہے۔ پس ان کے اختلاف میں سے جس نے جو اختیار کر لیا' پس وہ میرے نزدیک ہدایت پر ہے۔'' (مشکوٰۃ ص ۵۵۴' ج ۲' باب مناقب صحابہ)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کے اختلاف کی نوعیت عام مجتہدین کے اختلاف کی صورت میں نہیں بلکہ ان کے اختلاف میں اصابت حق کا نور دونوں جانب میں موجود ہے البتہ اس کی کیفیت میں فرق ہے۔ بعض میں زیادہ اور بعض میں کم لیکن دونوں جانب نور۔ اس لیے اس حدیث کی روشنی میں ہم کہتے ہیں کہ دونوں مصیب ہیں۔ اور ان کے اس اختلاف میں امت کے لئے رحمت کی یہ رہنمائی ہے کہ مسلمانوں کے درمیان اگر کوئی مناقشت کی صورت پیدا ہو جائے تو ان کو چاہیے کہ اپنے اس تنازع کو ختم کرنے کے لئے قرآن کی جانب رجوع کریں جیسا کہ ان صحابہ کرامؓ نے کیا۔

ایک سوال میں سیدنا معاویہؓ کے والد ماجد حضرت ابوسفیان صخرؓ بن حرب اموی کو مورد طعن قرار دیا گیا ہے۔ ان سوالات کا ماٴخذ وہ تاریخی روایات ہیں جو کہ ایک خاص نتیجۂ فکر کی عکاس ہیں۔ حضرت ابوسفیانؓ کے اسلام قبول کرنے کو

اخلاص پر مبنی قرار نہیں دیا گیا بلکہ یہ کہا گیا ہے۔

ان کا اسلام قبول کرنا ایک وقتی مصلحت کے پیش نظر تھا جو کہ ''**الناس علیٰ دین ملوکھم**'' کے زمرہ میں شمار ہوتا ہے پھر اپنے اس نظریہ کی تائید میں ایک واقعہ پیش کیا گیا ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ جو واقعہ پیش کیا گیا ہے کتب تاریخ میں غیر مستند ہے۔ روایات میں ان کی تنقید کا یہ فقرہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق ہے۔ ناقدین فن میں سے صاحب الاستعاب ابن عبدالبر اور ابن اثیر نے تصریح کی ہے کہ اس طرح کی روایات غیر مستند اور نا قابل اعتبار ہیں۔

ایک اور سوال میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی والدہ سیدہ ہند رضی اللہ عنہا پر اعتراض ہے کہ انہوں نے سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے ان کا کلیجہ نکال کر کچا چبایا اس درندگی کے باوجود ایسی خاتون کے نام کے ساتھ سیدہ لکھنا کہاں تک مناسب ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ سیدہ ہند رضی اللہ عنہا کے بارے میں کلیجہ چبانے کی روایت بھی اسی قبیل سے جو کذب بیانی، تہمت اور تعصب کے زمرے میں آتی ہیں۔ پھر جس فعل کی ان کی جانب نسبت کی گئی ہے یہ فعل زمانۂ کفر کا ہے اور شریعت کا قانون ہے اور نبی کریم ﷺ کا فرمان کہ ''**الاسلام یھدم ما کان قبلہ**'' کہ اسلام کے باعث زمانہ کفر کے پہلے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں ہاں۔ اگر وہ مشرف بہ اسلام نہ ہوتیں پھر اگر کوئی شخص ان کے نام کے ساتھ لفظ سیدہ تحریر کرتا تو پھر واقعی یہ بات قابل اعتراض ہوتی۔ پھر ان کے مسلمان ہونے کے بعد نبی کریم ﷺ کیساتھ ان کی جو گفتگو ہوئی ہے وہ اس سبائی نظریہ کی تکذیب کرتی ہے اور یہ گفتگو حدیث کی امہات الکتب ''صحاحِ ستہ'' میں موجود ہے۔

ایک سوال میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی مہمان نوازی اور ان کے دستر خوان کی وسعت کو بھی مورد طعن بنایا گیا ہے۔ قانون اسلام میں ایک کفالت عامہ کی شق ہے اسی مد میں بیت المال سے وظائف کا اجراء کیا جاتا ہے۔ اور باقی رہا ان کی مہمان نوازی تو وہ ان کے ذاتی مال سے ہوتی تھی وہ کوئی اس زمانہ کے حکمرانوں کی طرح نہیں کہ ملکی خزانہ کو ذاتی ملکیت تصوّر کریں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پیغمبر ﷺ کے جلیل القدر صحابی تھے۔ ان کے متعلق خیانت کا تصوّر بھی محال ہے۔ اس سوال کی دوسری شق میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لباس کے باعث مورد طعن قرار دیا گیا ہے۔ واقعہ دراصل یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لباس کے متعلق کتب تاریخ میں یہ بھی مذکور ہے کہ ان کے جسم پر پیوند شدہ لباس ہوتا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ والے واقعہ میں جس لباس کا تذکرہ ہے وہ بھی ثابت ہے لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے جواب (کہ میں نے کافر بادشاہوں کو مرعوب کرنے کے لیے پرانے لباس پر نیا لباس پہنا ہے) پر خاموش ہو گئے تو معلوم ہوا کہ ان کا جواب صحیح ہے ورنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق تسامح کا تو تصوّر ہی نہیں ہو سکتا جب اصل معترض نے ان کے جواب کو صحیح تسلیم کیا تو پھر اس کے بعد تو کسی شخص کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ یہ کہے کہ یہ عذر نا قابل قبول ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان ویقین پر شک اور اُن کی پاکیزہ ونورانی شخصیت وسیرت پر تنقید سے بچائے اور اُن کے بارے میں حُسنِ ظن رکھنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین